حج اور عمرہ سے متعلق چند مسائل

انوار الحق رحمانی

مکی کے لیے تمتع اور قران کا حکم

(۳) مکہ مکرمہ میں مقیم شخص خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہو یا تجارت و ملازمت وغیرہ کے سلسلہ میں وہاں مقیم ہو اگر اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لیے حج کے مہینوں کے شروع ہو جانے کے بعد عمرہ کرنا احناف کے نزدیک درست نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں مکی کے لیے تمتع یا قران کی گنجائش احناف کے نزدیک نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ (مالک رح، شافعی رح، اور احمد بن حنبل رح) کے نزدیک مکی کے لیے تمتع اور قران بلا کراہت درست ہے[1]۔ اور اس کی وجہ سے اس پر کوئی دم (دم تمتع یا دم جنایت) واجب نہیں۔

احناف کے نزدیک اگر مکی تمتع اور قران کرے گا تو وہ گنہ گار ہوگا اور اس کی وجہ سے اس پر دم لازم آئے گا۔ اور چوں کہ یہ دم دم جنایت ہے اس لیے اس سے خود نہیں کھا سکتا۔ اس کے مستحق فقراء و مساکین ہیں۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے تمتع کا ذکر کیا ہے وہاں اخیر میں اس کی صراحت کر دی ہے کہ یہ سہولت مسجد حرام کے باہر رہنے والوں یعنی آفاقیوں کے لیے ہے۔

فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام فى الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن اهله حاضرى المسجد الحرام۔ (۲)

تو جو شخص بھی عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ اٹھائے تو اس پر قربانی ہے جو کچھ اسے میسر ہو، جو شخص اس کی وسعت نہ پائے تو تین روزے رکھے حج کے دنوں میں اور سات روزے گھر لوٹ جانے کے بعد، یہ کل دس روزے ہوئے۔ یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں۔

اس آیت میں تمتع سے مراد تمتع اصطلاحی نہیں ہے بلکہ ایک سفر میں حج و عمرہ کو جمع کر کے فائدہ اٹھانا

---

(۱) فقہ السنۃ ۱/۶۵۹ (۲) البقرہ: ۱۹۶

مراد ہے جس میں تمتع اور قران دونوں داخل ہے۔ اس آیت کے اخیر میں فرمایا گیا: ذالك لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام۔ یعنی ایک ساتھ حج وعمرہ دونوں سے انتفاع کی سہولت اور گنجائش ان لوگوں کے لیے ہے جو مسجد حرام کے قریب رہنے والے نہ ہوں۔

امام تفسیر حضرت ابن عباس رضؓ حج تمتع کو صرف آفاقیوں کے لیے جائز کہتے تھے اور اہل مکہ کے لیے حرام قرار دیتے تھے۔

وقال قتادة ذكر لنا ان ابن عباس رضؓ كان يقول: يا اهل مكة لا متعة لكم احلت لأهل الآفاق وحرمت عليكم۔ (۳)

حضرت امام شافعی رحؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذلک کی ضمیر ہدی کی طرف لوٹ رہی ہے جو قریب ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمتع اور قران کرنے وجہ سے دم تمتع یا اس کا بدل یعنی روزہ ان لوگوں پر لازم ہے جو باہر سے آئے ہیں، کیوں کہ ان پر واجب تھا کہ حج کا احرام میقات سے باندھتے۔ مگر جب انھوں نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام میقات سے نہیں باندھا تو اس کی وجہ سے حج میں خلل پیدا ہوا جس کی تلافی شریعت نے دم کے ذریعہ کرائی۔ اور مکی کے لیے میقات سے حج کا احرام باندھنا واجب نہیں ہے۔ اس لیے اگر وہ تمتع کرے تو اس کی وجہ سے اس کے حج میں کوئی خلل پیدا نہ ہوگا۔ اس بنا پر نہ اس پر ھدی واجب ہوگی نہ اس کا بدل یعنی دس دنوں کا روزہ۔ (۱)

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں امام شافعی رحؒ کے مسلک کی پرزور وکالت کی ہے اور احناف کے دلائل کا جواب دیا ہے لیکن شوافع کا استدلال چند وجوہ سے کمزور معلوم ہوتا ہے۔

اوّل: یہ کہ ذلک اسم اشارہ بعید ہے، یہ ضمیر نہیں ہے جس کا قریب کی طرف لوٹانا بہتر ہو۔ ذلک جب اسم اشارہ بعید ہے تو ابعد کو اس کا مشار الیہ قرار دینا بہتر ہے اور وہ تمتع اور قران ہے جو فمن تمتع سے سمجھ میں آرہا ہے، نہ کہ ھدی جو کہ قریب ہے۔

دوم: نظم کلام سے بھی یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ذلک کا مشار الیہ تمتع ہے نہ کہ ھدی، کیوں کہ "ذلک لمن" کہا گیا، "ذلک علی من" نہیں کہا گیا ہے۔ لام انتفاع کے لیے آتا ہے اور علیٰ الزام کے لیے، یہ بھی اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ذلک کا مشار الیہ تمتع ہے جس میں حاجی ایک سفر میں دو عبادتوں کو جمع

(۱) التفسیر الکبیر ۳/۱۳۵ (۳) مختصر تفسیر ابن کثیر ۱/۱۷۶- آیت: ۱۹۶

کرتا ہے اور حج وعمرہ دونوں کا شرف اور فائدہ حاصل کرتا ہے۔ یعنی یہ سہولت صرف آفاقیوں کے لیے ہے۔ اگر اس کا مشار الیہ ھدی ہوتا تو اس کے لیے " ذلک علی من" کی تعبیر مناسب تھی کیوں کہ ھدی تو اس پر لازم ہو رہی ہے۔

سوم: یہ کہنا کہ ذبح ھدی کا حکم اس نقص اور خلل کی تلافی کے لیے ہے جو میقات سے احرام نہ باندھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، صحیح معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ کسی عبادت میں نقص اور خلل تو حکم شرعی کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتا ہے اور تمتع کی اجازت جب خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تو پھر اس میں خلل پیدا ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ قرآن میں تمتع کی اجازت تو اسی آیت سے ثابت ہے اور حدیث میں ابن عباس رضی کی روایت صحیحین میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ مکہ پہنچنے کے بعد جو صحابہ اپنے ساتھ ھدی نہیں لائے تھے انھیں حکم دیا کہ عمرہ کر کے احرام سے حلال ہو جائیں پھر آٹھویں ذی الحجہ کو آپؐ نے ان صحابہ کو حج کا احرام باندھنے کا حکم دیا اور اس طرح انھوں نے حج وعمرہ کو جمع کیا تو اگر آفاقی کے حج کا احرام مکہ سے باندھنے سے حج میں کوئی خلل پیدا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلا انھیں یہ حکم کیوں کر دے سکتے تھے اور رسول اللہؐ نے جو بھی حکم دیا وہ اللہ ہی کی طرف سے تھا، اس لیے اس میں کسی نقص اور خلل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چہارم: اگر دم تمتع و قران دم جنایت ہے جو آفاقی پر میقات سے احرام نہ باندھنے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے تو اس کا وجوب صرف متمتع پر ہونا چاہیے، قارن پر نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ اس نے تو حج کا احرام بھی میقات سے باندھا ہے، پھر تو اس کے حج میں کوئی خلل لازم نہیں آیا کہ جس کی وجہ سے دم کے ذریعہ اس کی تلافی کرائی جائے، جب کہ دم جس طرح متمتع پر ہے اسی طرح بالاتفاق قارن پر بھی ہے۔ امام شافعی رح بھی اس کے قائل ہیں۔[1]

پنجم: اگر تمتع کی وجہ سے حج میں خلل پیدا ہوتا ہے کہ متمتع کے حج کا احرام میقات سے نہیں ہو پاتا تو ایسی صورت میں وہ حج افراد سے افضل نہیں ہو سکتا جس میں وہ خلل نہیں ہوتا، جب کہ امام شافعی رح تمتع کو نہ صرف افراد بلکہ قران سے بھی افضل قرار دیتے ہیں۔ ان کے اصول کی رو سے پھر تمتع کے قران اور افراد سے افضل ہونے کا قول ناقابل فہم ہے۔

---

[1] دیکھیے: المہذب مع المجموع ۷/۱۹۰

اس لیے راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ دم تمتع اور قران دم شکر ہے جو ایک سفر اور ایک سال میں دو عبادتوں کی توفیق اور دو عبادتوں کو جمع کرنے کے شکرانے میں اس پر شارع نے لازم کیا ہے۔ اس لیے اس سے اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ راجح قول کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے اور آپ نے اپنی ھدی کا گوشت تناول فرمایا۔ دم جبر اور جنایت سے کھانا جائز نہیں وہ صرف مسکینوں کا حق ہے اور پھر جو عمل شارع کی اجازت اور حکم سے ہو اس میں نقص، خلل اور جنایت کا کیا سوال؟ حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت کا ترجمہ ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے حج کی نوعیت واضح ہوتی ہے اور اس کا پتہ چلتا ہے کہ حج تمتع اور قران کا حکم صرف آفاقیوں کے لیے ہے، مکیوں کے لیے نہیں۔

حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ ان سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ مہاجرین و انصار اور ازواج مطہرات نے حجۃ الوداع میں احرام باندھا اور ہم نے بھی احرام باندھا پھر جب ہم مکہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے احرام کو عمرہ بنالو، سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے ھدی ساتھ لایا ہے، چنانچہ ہم نے بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کیا، اور عورتوں کے پاس آئے اور (سلے ہوئے) کپڑے پہنے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ قربانی کا جانور ساتھ لائے ہیں ان کے لیے حلال ہونا جائز نہیں یہاں تک کہ ھدی اپنی قربانی کی جگہ اور وقت میں پہنچ جائے، پھر آٹھویں ذی الحجہ کی شام کو آپؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم حج کا احرام باندھیں اور جب ہم حج کے ارکان سے فارغ ہوئے (یعنی وقوف عرفہ و مزدلفہ اور رمی، نحر اور حلق سے) تو ہم (مکہ) آئے اور بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کیا اور ہمارا حج مکمل ہوا اور ہم پر قربانی واجب ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ حاصل کرے تو اس پر ھدی کی قربانی واجب ہے جو اسے میسر آئے پس جو شخص اس کی وسعت نہ پائے تو حج کے زمانہ میں تین دنوں کے روزے رکھے اور سات روزے اس وقت جب تم اپنے شہروں کی طرف لوٹ جاؤ (دم تمتع میں) بکری کافی ہو جائے گی۔ پس صحابہ نے ایک سال میں دو عبادتوں یعنی حج و عمرہ کو جمع کیا۔ بے شک اللہ نے اس کا حکم (یعنی تمتع و قران کا) اپنی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں نازل کیا

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

ہے اور اس (تمتع و قران) کو غیر اہل مکہ کے لیے (یعنی آفاقیوں کے لیے) مباح قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ حکم (یعنی تمتع و قران کا) ان لوگوں کے لیے ہے جو مسجد حرام کے پاس لینے والے نہ ہوں اور حج کے مہینے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے وہ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ ہے۔ تو جو لوگ ان مہینوں میں تمتع کریں ان پر دم (دم تمتع) ہے یا (دس دنوں کا) روزہ ہے۔ (یعنی اگر جانور ذبح کرنے کی استطاعت نہ ہو۔) (بخاری)

صاحب فقہ السنہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس کی دلیل ہے کہ اہل حرم کے لیے تمتع اور قران نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ لوگ تنہا حج اور تنہا عمرہ کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضؓ اور امام ابوحنیفہ رحؒ کا مسلک یہی ہے۔

وفی هذا الحدیث دلیل علی أن اهل الحرم لا متعة لهم ولا قران وانهم یحجّون حجّا مفردا ویعتمرون عمرة مفردة وهذا مذهب ابن عباس رضؓ وابی حنیفة رحؒ لقول الله تعالیٰ: ذٰلك لمن یكن اهله حاضري المسجد الحرام۔ (فقه السنة ۱/۶۵۹)

(۴) ابن عربی نے احکام القرآن میں تمتع کی صحت کے لیے آٹھ شرائط کا ذکر کیا ہے۔

اوّل یہ کہ حج و عمرہ دونوں کو جمع کرے ـــــ دوم یہ کہ دونوں عبادتیں ایک ہی سفر میں انجام پائیں۔ سوم: یہ کہ ایک ہی سال میں ہوں ـــــ چہارم: یہ کہ حج کے مہینوں میں ہوں ـــــ پنجم: یہ کہ عمرہ حج سے مقدم ہو ـــــ ششم: یہ کہ دونوں کا احرام ایک ساتھ نہ باندھا جائے (کہ یہ قران ہے) بلکہ حج کا احرام عمرہ سے فراغت کے بعد باندھے ـــــ ہفتم: یہ کہ حج اور عمرہ دونوں ایک ہی شخص کی طرف سے ہو، ہشتم: یہ کہ تمتع کا یہ عمل غیر اہل مکہ کی طرف سے ہو۔ (۱)

آگے فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض شرائط قرآن کریم کے ظاہر سے سمجھ میں آرہی ہیں اور بعض اس سے مستنبط ہوتی ہیں اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "فمن تمتع" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر نفع اٹھائے اور یہ انتفاع اس طور پر ہے کہ اسے حج اور عمرہ دونوں کے لیے دو مرتبہ سفر کرنا پڑتا اور دو الگ الگ ارادوں سے آنا پڑتا، جب کہ اس نے ایک ہی سفر میں اور ایک ساتھ حج و عمرہ کیا تو اس نے نفع اٹھایا اور یہ تمام شرائط انتفاع ہیں۔ (۲)

(۱) احکام القرآن ۱/۱۲۶ (۲) حوالۂ سابق

تمتع کی صحت کے لیے مذکورہ بالا تمام شرائط تقریباً متفق علیہ ہیں۔ اس میں آٹھویں شرط یہ ہے کہ متمتع آفاقی ہو مکی نہ ہو۔ فقہ حنفی کی کتابوں (البحر الرائق، شامی وغیرہ میں) بھی یہ شرط مذکور ہے، اسی طرح تمتع کی صحت کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ حج وعمرہ دونوں ایک سفر میں ہو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور یہ کہ حج وعمرہ کے درمیان الما صحیح نہ پایا جائے، یعنی متمتع عمرہ کے افعال سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر لوٹ کر نہ آئے۔ گھر لوٹ کر آنے سے تمتع باطل ہو جائے گا۔ حنفیہ کے نزدیک تو سفر کر کے گھر آنا تمتع کے لیے مبطل ہے لیکن بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک سفر کر کے میقات سے باہر چلا جانا بھی مبطل تمتع ہے خواہ گھر آئے یا نہیں۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

وإذا عاد المتمتع إلى بلده بعد فراغه من العمرة ولم يكن ساق الهدى بطل تمتعه لأنه ألم بأهله فيما بين نسكين الما صحيحا وبذلك يبطل التمتع كذا روى عن عدة من التابعين۔(۱)

اور متمتع عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اگر اپنے شہر لوٹ آئے اور وہ پہلے سفر میں ھدی اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا تو اس کا تمتع باطل ہو جائے گا، کیوں کہ وہ دونوں عبادتوں کے درمیان اپنے گھر آگیا اور الما صحیح پایا گیا (یعنی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اور ھدی ساتھ نہ لے جانے کی وجہ سے وطن واپس لوٹنے کے بعد دوبارہ مکہ کا حج کے واسطے سفر کرنا اس پر واجب نہ رہا کہ وہ احرام سے نکل گیا۔ اور ہدی ساتھ ہونے کی صورت میں احرام سے حلال نہیں ہو سکتا تھا اور اس صورت میں الما فاسد ہوتا)۔ اور الما صحیح کی وجہ سے تمتع باطل ہو جاتا ہے۔ متعدد تابعین سے یہی منقول ہے۔"

اور پھر حاشیہ میں لکھا ہے کہ گھر آجانے کی وجہ سے تمتع کے باطل ہونے کا قول امام طحاوی نے کتاب احکام القرآن میں سعید ابن المسیب، عطا، مجاہد اور ابراہیم سے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمرہ کے بعد گھر آنا تمتع کو باطل کر دیتا ہے اور مکی کے ساتھ صورت حال یہ ہے کہ وہ عمرہ کے افعال سے فراغت کے بعد اپنے گھر میں ہے اس لیے اس کا عمرہ باطل ہو گیا، اس لیے مکی کے حق میں تمتع کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

---

(۱) ھدایہ کتاب الحج باب التمتع ۱/۱۶۳

إنهم صرّحوا بأن عدم الالمام شرط لصحة التمتع دون القران
وان الالمام الصحيح مبطل للتمتع ومقتضى هذا ان تمتع المكي باطل
لوجود الالمام الصحيح بين احراميه ۔ (۲)

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ گھر نہ آنا تمتع کی صحت کے لیے شرط ہے قران کی صحت کے لیے نہیں اور یہ کہ المام صحیح تمتع کو باطل کر دیتا ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ مکی کا تمتع باطل ہے چوں کہ اس کے دونوں احراموں (یعنی حج و عمرہ کے احراموں) کے درمیان المام صحیح پایا جاتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ (ابو حنیفہ رح، مالک رح اور احمد بن حنبل رح) کے مسلک کی رو سے میقات سے باہر مکہ مکرمہ آنے والے ہر شخص کے لیے (خواہ اس کی نیت حج وعمرہ کی نہ ہو) میقات سے احرام باندھ کر داخل ہونا ضروری ہے۔اس لیے مکہ مکرمہ میں مقیم جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہوں اگر وہ اپنی کسی ضرورت سے حج کے مہینوں میں میقات سے باہر جائیں، پھر مکہ مکرمہ واپس آئیں تو انھیں عمرہ کا احرام باندھ کر ہی میقات کے اندر داخل ہونا چاہیے اور عمرہ کے ارکان و اعمال ادا کرنا چاہیے، یہ عمرہ ممنوع نہیں ہوگا اور نہ اسال حج کرنے کی وجہ سے وہ تمتع قرار پائے گا، کیوں کہ تمتع کی صحت کے لیے عمرہ کی ادائے گی کے بعد گھر نہ آنا شرط ہے اور مکی اپنے گھر میں ہے اس بنا پر وہ متمتع نہیں ہو سکتا۔

مکی کو تمتع اور قران سے روکنے کی حکمت یہ ہے کہ جو لوگ باہر ملکوں سے مکہ آتے ہیں ان میں اکثر کو دوبارہ مکہ لوٹنا نصیب نہیں ہوتا (کم از کم اسی فی صدی لوگ تو ایسے ہی ہوتے ہیں) اس لیے شریعت نے ان کے لیے یہ گنجائش رکھی ہے کہ ایک ہی سفر میں حج کے ساتھ عمرہ بھی کرلیں کہ عمرہ کی مستقل فضیلت ہے اور استطاعت کی شرط کے ساتھ ایک قول اس کے وجوب تک کا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ دو عمرے اپنے بیچ کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں (العمرة الى العمرة كفارة لما بينهما) اور ایک حدیث میں حکم دیا گیا کہ پے در پے حج اور عمرے کرو کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں جیسے کہ بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔

تابعوا بين الحج والعمرة فانهما ينفيان الفقر والذنوب كما
ينفي الكير خبث الحديد والذهب والفضة ۔ (۱)

(۱) ترمذی عن ابن مسعود (۲) حاشیہ ردالمحتار ۲/۱۹۸

اس لیے آفاقیوں کے لیے شریعت نے یہ گنجائش رکھی کہ وہ ایک ہی سفر میں عمرہ کی فضیلت اور شرف بھی حاصل کرلیں کہ شاید دوبارہ مکہ لوٹنا نصیب نہ ہو اور جو لوگ مکہ میں ہیں ان کے لیے سال بھر عمرہ کا موقع ہے۔ حج کا زمانہ شروع ہونے کے بعد باہر سے حجاج کی آمد شروع ہوجاتی ہے، اگر مکہ والے بھی ان دنوں میں عمرہ کریں گے تو ازدحام زیادہ ہوگا اور عمرہ میں خود ان کو اور باہر سے آنے والے اللہ کے مہمانوں کو زحمت اور دشواری ہوگی، اس لیے طرفین کو مشقت اور مزاحمت سے بچانے کے لیے مکیوں کو تمتع سے منع کیا گیا، حتیٰ کہ حج کا زمانہ شروع ہوجانے کے بعد تنہا عمرہ سے بھی روکا گیا۔ بل اختار ایضا منع المکی من العمرۃ المجردۃ فی اشہر الحج وان لم یحج۔ (۱)

اور مکہ کے باشندے یا مکہ میں مقیم حضرات اگر کسی ضرورت سے میقات کے باہر جائیں تو واپسی میں انھیں عمرہ کا احرام باندھ کر ہی آنا ہے۔ یہ حد ممانعت میں ہرگز داخل نہیں ہے بلکہ ضرورتاً ہے اور واقعی ضرورتوں کی بنیاد پر جو اہل مکہ حج کا ارادہ رکھتے ہیں انھیں باہر جانے سے باز نہیں رکھا جاسکتا کہ اس میں بہت حرج اور مشقت ہے۔" والحرج مدفوع۔ والمشقۃ تجلب التیسیر۔ پھر یہ کہ یہ عمرہ تمتع کے ارادہ سے نہیں ہے بلکہ ضرورتاً اور شریعت کے مقرر کردہ ضابطہ کی تعمیل کے طور پر ہے۔ اگر وہ عمرہ کے احرام کے بغیر میقات سے آگے بڑھیں تو شریعت کے اس ضابطہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے جو اس مقدس سرزمین اور کعبۃ اللہ کی تعظیم و احترام کے طور پر شریعت نے مقرر کیا ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک ایک محظور شرعی کا ارتکاب لازم آتا ہے اور اس پر دم واجب ہوتا ہے۔ اس لیے وہ بلا تکلف عمرہ کرے گا اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ وہ اس عمرہ کی وجہ اگر اسی سال حج بھی کرے تو متمتع قرار نہیں پائے گا، چوں کہ الممام صحیح دونوں احراموں کے درمیان پایا گیا جو تمتع کے بطلان کا سبب ہے اس لیے اس صورت میں اس پر نہ دم جنایت لازم آئے گا نہ دم تمتع۔ ہاں جن لوگوں کو بار بار آمد و رفت کی ضرورت پڑتی ہے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

اس مسئلہ پر ایک دوسری جہت سے بھی غور کیا جاسکتا ہے۔ ایک فقہی قاعدہ ہے: ان الشیٔ یعتبر

---

(۱) حاشیہ ردالمحتار ۲/۱۹۷ باب التمتع

مالم یعد علی موضوعہ بالنقض والابطال[۲] مثلاً شریعت نے آقا کے مصالح کے تحفظ اور دفع ضرر کی خاطر اس کی اجازت کے بغیر اس کے غلام کے تصرف کو باطل قرار دیا ہے، لہٰذا اگر کوئی غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر اپنی خدمات کے عوض ایک ہزار کے بدلے عقد اجارہ کرلے تو شرعاً اس کا یہ تصرف باطل ہوگا کیوں کہ غلام کا مالک اس کا آقا ہے، اسے شریعت نے اپنے غلام کو اپنے مصالح میں استعمال کا حق دیا ہے۔ اور غلام کے اس طرح کے تصرفات سے اس کی مصلحت فوت ہوگی اور اسے ضرر لاحق ہوگا، اس لیے شریعت اس کے تصرف کا اعتبار نہیں کرتی۔ لیکن اگر اجارہ کی مدت ایک ماہ گزر جائے تو غلام کا یہ تصرف شرعاً صحیح قرار پائے گا کیونکہ اس فقہی قاعدہ کا مقصد اور غلام کے تصرف کو باطل قرار دینے کی غرض مولی سے ضرر کو دفع کرنی تھی، اور اجارہ کی مدت کے گزر جانے کے بعد مولی کی مصلحت کا تحفظ اس تصرف کو جائز قرار دینے میں ہے، اس لیے یہ اصول کہ مالک کی اجازت کے بغیر غلام کا تصرف باطل ہے۔ اب اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیوں کہ اس اصول کا اعتبار کرنے میں اب مولی ہی کے حق کا ضیاع اور اس کا ضرر ہے کہ وہ ایک ہزار کی اجرت سے محروم رہ جائے گا، جب کہ اسے جائز قرار دینے کی صورت میں وہ ایک ہزار کا مستحق ہوگا کیوں کہ وہ اس کے غلام کی کمائی ہے جس کا شرعاً وہ مالک ہے۔

اسی طرح اہل مکہ کو اشہر حج (حج کے مہینوں) میں تمتع اور عمرہ سے روکنے کی حکمت مشقت اور ازدحام سے فریقین کو بچانا ہے اور سوال میں مذکور صورت میں اس کی کو عمرہ کی اجازت نہ دینے میں حرج اور ایک محظور شرعی کا ارتکاب لازم آتا ہے اور حرم محترم کی عظمت واحترام پر مبنی اصول کی خلاف ورزی لازم آتی ہے کہ اسے میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کرنے کی صورت میں دم جنایت دینا پڑے گا، جس میں شرعی ضابطہ کی خلاف ورزی کے ساتھ اس کا مالی خسارہ بھی ہے، اس لیے اس صورت میں سابق اصول کا جو دفع حرج ومشقت کے لیے تھا اعتبار نہیں کیا جائے گا کہ اس کے اعتبار کرنے ہی سے حرج لازم آرہا ہے اور اسے عمرہ کی اجازت دی جائے گی۔ اور تمتع کی شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے یہ شخص متمتع قرار نہیں پائے گا اور نہ دم جنایت لازم آئے گا۔

واضح رہے کہ کی کے تمتع کے متحقق نہ ہونے کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تشریح وتوجیہ اہل مکہ کی

---

(۲) اصول الامام الکرخی قاعدہ ۲۸

اس مشکل کے شرعی حل کے طور پر اختیار کی گئی ہے جس کا سوالنامہ میں تذکرہ ہے اور "لا تمتع لمکی" مکی کے لیے تمتع نہیں ہے، اس کے ذیل میں علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالہ سے دو احتمالوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ لا کو نفی وجود پر محمول کیا جائے یعنی مکی کے حق میں تمتع کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں احراموں کے بیچ میں الم صحیح مانع تمتع ہے، جس کی بنیاد پر مذکورہ بالا توجیہ اختیار کی گئی۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسے نفی حل پر محمول کیا جائے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تمتع تو صحیح ہو جائے گا مگر وہ گنہ گار ہوگا، کیوں کہ اس کے لیے تمتع ممنوع تھا۔ ہم نے پہلے احتمال کو ترجیح دیا ہے تاکہ اہل مکہ کو حرج سے بچایا جا سکے ورنہ اس صورت میں تمتع کے پائے جانے اور اس کی بنا پر دم جنایت کے واجب ہونے کا قول خود ہماری فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں موجود ہے، چنانچہ علامہ حصکفی رح فرماتے ہیں:

والمکی ومن فی حکمہ یفرد فقط ولو قرن او تمتع جاز وأساء وعلیہ دم جبر۔ (۱)

مکی اور جو لوگ ان کے حکم میں ہیں وہ صرف حج افراد کریں گے اور اگر وہ قران یا تمتع کر لیں تو جائز ہوگا لیکن برا کیا اور ایسے لوگوں پر دم جبر ہوگا۔

علامہ شامی رح کے بقول صاحب فتح القدیر اور صاحب بدائع وغیرہ نے پہلے احتمال کو ترجیح دیا ہے اور صاحب فتح القدیر نے اسے اس بنا پر اولیٰ بالاعتبار کہا ہے کہ ائمہ مذہب کے کلام کا تقاضہ یہی ہے جب کہ بعض مشائخ ابن نجیم، شرنبلالی اور ملا علی قاری وغیرہ نے دوسرے احتمال کو ترجیح دیا ہے:

اعلم انہ ذکر فی الفتح ان قولہم: لا تمتع ولا قران لمکی یحتمل نفی الوجود..... ویحتمل نفی الحل بمعنی انہ یصح لکنہ یأثم بہ۔ (۲)

والذی حط علیہ کلامہ (ای صاحب فتح القدیر) اختیار الاحتمال الأول لأنہ مقتضی کلام أئمۃ المذھب وھو اولی بالاعتبار من کلام بعض المشائخ یعنی صاحب التحفۃ وغیرہ..... وھو ظاھر عبارۃ البدائع وخالفہ من بعدہ کصاحب البحر والنھر والمنح والشرنبلالی والقاری واختاروا الاحتمال الثانی لان ایجاب دم الجبر فرع الصحۃ۔ (۳)

(۱) الدر المختار ۱۹۷/۲ (۲) حاشیہ رد المحتار ۱۹۷/۲ (۳) ایضاً

بہرحال سوالنامہ میں مذکور اہل مکہ کی اس مشکل کا حل تلاش کیا جانا ضروری ہے جو فقہ حنفی کی رُو سے لازم آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اہل مکہ کو جو اس سال حج کا ارادہ رکھتے ہیں اشہر حج شروع ہونے کے بعد اپنی ضرورتوں کی بنیاد پر میقات سے باہر سفر کرنے سے روکا نہیں جاسکتا کہ اشہر حج کا عرصہ خاصا طویل ہوتا ہے اور زمانہ کی ترقیات اور نئی نئی ضروریات کے پیش نظر سفر کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے ایک پندرہ سالہ مکی نوجوان جس پر حج فرض ہے اور اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے یا مکہ میں مقیم ایک آفاقی نوجوان جو چند ماہ سے ملازمت کے سلسلہ میں مکہ میں مقیم ہے اور اس پر حج فرض ہے اور وہ حج کا ارادہ رکھتا ہے لیکن ملازمت اس نوعیت کی ہے کہ اسے وقتاً فوقتاً میقات سے باہر جانا پڑتا ہے، اگر ایسے لوگ میقات سے باہر جانے کے لیے کسی مفتی سے اجازت چاہیں اور فتویٰ پوچھیں تو ظاہر ہے کہ کوئی مفتی انھیں سفر سے روک نہیں سکتا کہ اس میں حرج ہے اور جب وہ اپنی ضرورت پوری کرکے مکہ واپس لوٹے گا تو اسے میقات سے احرام باندھ کر آنا ہوگا اور احرام سے حلال ہونے کے لیے عمرہ کرنا پڑے گا اور پھر اسی سال حج کی وجہ سے ایک قول کی رو سے تمتع لازم آئے گا جو فقہ حنفی کی رو سے اس کے لیے ممنوع ہے۔ اس مشکل سے اسے بچانے کی ایک صورت یہ ہے کہ ضرورت کی بنیاد پر امام شافعی رح کے مسلک پر فتویٰ دیا جائے کہ ایسے لوگوں پر احرام لازم نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ احرام باندھ کر مکہ آنے اور عمرہ کرنے کی اجازت دی جائے لیکن پھر اسی سال حج کرنے کی وجہ سے ان پر دم جنایت واجب نہ کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ مکی کا وہ تمتع ممنوع اور موجب دم ہے جو تمتع کے ارادہ سے ہو اور بلا ضرورت ہو اور یہ تمتع ظاہر ہے کہ صورتاً ہے حقیقتاً نہیں کیوں کہ اس مکی نے تمتع کے قصد سے یہ عمرہ نہیں کیا ہے، بلکہ ایک ضرورت کی وجہ سے اور بلا ارادہ یہ تمتع متحقق ہوگیا، اس لیے اس میں دم نہیں۔ گویا ایک قول کی بنیاد پر اس صورت میں ضرورتاً دم کے ساقط ہونے کا فتویٰ دیا جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جس طرح امام مالک رح اور امام احمد بن حنبل رح نے حاجت متذکرہ کی بنیاد پر لکڑی فروش وغیرہ کو احرام سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اسی طرح ایسے اہل مکہ کو احرام سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

ہمارے نزدیک ان تینوں صورتوں میں سب سے بہتر اور آسان صورت یہی ہے کہ ایسے لوگوں پر دم تمتع کو واجب نہ کیا جائے۔ امام شافعی رح کے قول پر فتویٰ دینے کی صورت میں ان تمام نصوص کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جن سے میقات سے آگے بڑھنے والے ہر فرد پر احرام کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اور جو جمہور فقہاء

کا مسلک ہے۔ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے مسلک پر فتویٰ دینے اور لکڑی فروش اور ٹیکسی ڈرائیور وغیرہ کی طرح انھیں حکم احرام سے مستثنیٰ قرار دینے کے لیے حاجت متکررہ کا تحقق ضروری ہے اور یہ مسئلہ یہاں غور طلب ہے کہ یہاں اس نوعیت کی حاجت ہے یا نہیں؟ احرام باندھ کر مکہ آنے اور عمرہ کر لینے کی صورت میں صرف دم کو ساقط کرنا پڑتا ہے اور جمہور ائمہ میں سے کسی کے مسلک کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی اور نہ اس صورت میں جمہور ائمہ وجوب دم کے قائل ہیں۔ صرف احناف کے ایک قول کی رو سے دم لازم آتا ہے، جب کہ اس صورت میں بھی دم کا ثبوت کتاب وسنت کے کسی نص سے نہیں ہے۔ احناف نے مکی کے تمتع پر دم اس لیے واجب کیا ہے کہ تمتع کی اجازت بہ نص قرآن وحدیث صرف آفاقیوں کے لیے ہے اور مکی نے تمتع کر کے اس کی خلاف ورزی کی ہے اس لیے دم کے ذریعہ اس کی تلافی کرائی جاتی ہے۔ اسقاطِ دم میں صرف ایک مسلک فقہی کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اور وہ بھی دو احتمالوں میں سے ایک کی بنیاد پر اور اگر پہلے احتمال کو لیا جائے تو وہ متمتع ہی نہیں ہوا کہ اس پر دم لازم ہو کہ مکی کا الممام صحیح مبطل تمتع ہے اور دوسرے احتمال کی بنیاد پر اس پر دم لازم آتا ہے تو ہم نے ضرورت کی بنیاد پر دم کو ساقط کر دیا کیوں کہ ایسے لوگ تمتع کے ارادہ سے عمرہ نہیں کرتے پھر ان پر دم کیوں واجب ہو؟ انھوں نے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔ کسی اہم ضرورت کے پیش آجانے پر خارج میقات سفر کرنے سے روکا نہیں جا سکتا کہ دین میں حرج نہیں ہے۔ پھر وہ مکہ میں داخل ہوتے وقت احرام باندھ کر آیا اور عمرہ ادا کیا، جیسا کہ شریعت کا حکم ہے۔ اب حج کا زمانہ آنے پر اس نے فریضہ حج ادا کیا۔ اعمال کا مدار نیتوں پر ہوتا ہے اور عزم وارادہ کا اثر اعمال پر پڑتا ہے۔ یہاں اس نے تمتع شریعت کے حکم کی خلاف ورزی کی نیت سے نہیں کی ہے مگر ضرورتاً اسے عمرہ کرنا پڑا اور اس کی وجہ سے صورتاً تمتع پایا گیا اس لیے مکی کے صرف اس تمتع کو ممنوع اور موجب دم قرار دیا جائے جو بلا ضرورت اور بہ قصد تمتع ہو اور ایسی ضرورتوں کی بنیاد پر اگر صورتاً تمتع لازم آئے جن کا سوالنامہ میں تذکرہ ہے تو اسے ممنوع اور موجب دم قرار نہیں دیا جائے۔

سفر حج وعمرہ میں آفاقیوں کے لیے ایک سے زائد عمرہ کرنے کا مسئلہ

(۵) تمتع کرنے والے آفاقیوں کے لیے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اور حج کا احرام باندھنے سے قبل یا آفاقی حجاج کرام کے لیے حج سے فراغت کے بعد مزید عمرے ادا کرنے کا مسئلہ بھی حج کے اہم مسائل

میں سے ہے اور اس وقت وہ عوام و خواص کے درمیان بحث و مباحثہ اور فکر و نظر کا موضوع بنا ہوا ہے۔ مختلف بیرونی ممالک بالخصوص برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش کے مسلمان بار بار عمرہ کرنے کے عادی ہیں، جب کہ حرمین شریفین کے علماء اس سے بہت سختی سے منع کرتے ہیں اور اسے بدعت اور معصیت قرار دیتے ہیں۔

مانعین کے دلائل یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ایک سفر میں ایک سے زائد عمرہ کرنے کا ثبوت نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے زیادہ عبادت اور کار خیر کا حریص اور کون ہو سکتا ہے؟ اگر ایک سفر میں بار بار عمرہ کرنا کوئی خیر و سعادت کی بات ہوتی تو آنحضورؐ اور صحابہ کرام اس سے کیسے چوک سکتے تھے اور اسے کس طرح چھوڑ سکتے تھے؟ اور دین میں یہی حضرات اصل ہیں اور ہمیں ان ہی کی اقتداء اور پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی ایک سفر میں ایک سے زیادہ عمرہ نہیں کرنا چاہیے۔

جب کہ جواز کے قائلین ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں عمرہ کی عمومی فضیلت بیان کی گئی ہے اور بار بار عمرہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ "دو عمرے اپنے بیچ کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں اور حج اور عمرہ فقر اور گناہ کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو" اور بدعت اسے کہتے ہیں جس کی دین میں کوئی اصل اور اساس نہ ہو اور قرآن و حدیث میں نہ صرف عمرہ کی اجازت دی گئی ہے بلکہ اس کی غیر معمولی فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اور پے در پے عمرہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور سفر حج میں حج سے فراغت کے بعد عمرہ کا ثبوت خود آنحضورؐ کی اجازت سے موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو تنعیم سے عمرہ کرنے کی اجازت دی اور ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کے ہمراہ انھیں تنعیم سے عمرہ کرایا۔ یہ اس کے جواز کی کھلی دلیل ہے۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں حج تو ایک ہی کیا لیکن عمرے چار کیے جس سے اس کی کثرت و تعدد کا پسندیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے یہ صحیحین کی روایت ہے جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں۔

دلائل کی قوت دونوں طرف ایسی ہے کہ کوئی ایک فیصلہ کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دونوں طرف کے دلائل، اسلاف کرام کے تعامل اور ان کے ارشادات و فرمودات کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور و فکر کیا جائے اور اس کا غیر جانب دارانہ تجزیہ کیا جائے تو مسئلہ کا حل دریافت ہو جاتا ہے اور دو انتہاؤں

کے بیچ میں توسط اور اعتدال کی راہ نکل آتی ہے اور وہ یہ کہ تمتع والے عمرہ سے فراغت کے بعد اور حج کا احرام باندھنے سے قبل آفاقی حجاج کے لیے مزید عمرے کرنا کم از کم مکروہ اور خلاف اولیٰ تو ضرور ہے۔ قارن اور مفرد بالحج کے حق میں تو اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ انھوں نے میقات سے حج کا احرام باندھا ہے جو مزید کسی عمرہ سے مانع ہے۔ متمتع کے لیے عمرہ سے فراغت کے بعد مزید عمرے کرنا کراہت سے اس لیے خالی نہیں کہ اس میں وہی علت پائی جاتی ہے جس کی بنیاد پر اہل مکہ کو حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ یعنی اس عمرہ کی وجہ سے مزاحمت اور مشقت ہوگی اور بھیڑ کی وجہ سے باہر سے آئے دن آنے والے حجاج کرام اور اللہ کے مہمانوں کو عمرہ کی ادائے گی خصوصاً صفا و مروہ کی سعی میں ازدحام اور دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پھر یہ کہ عمرہ سے فراغت کے بعد ان کی حیثیت مکیوں کی سی ہو گئی اور وہ بعض مسائل میں مکیوں کے ساتھ لاحق ہو گئے کہ اب مکیوں کی طرح وہ حج کا احرام مکۂ مکرمہ ہی سے باندھیں گے اور انھیں میقات جانا نہیں پڑے گا۔ اس بنا پر حج کے قبل انھیں مزید عمروں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اور جہاں تک حج سے فراغت کے بعد مزید عمروں کا سوال ہے تو اس میں اتنا غلو صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ روزانہ ایک عمرہ کیا جائے کہ احادیث و آثار اور سلف صالحین کے اقوال اور تعامل سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ ابن قدامہ حنبلی نے "المغنی" میں اس مسئلہ سے متعلق صحابہ کرام اور سلف صالحین کے اقوال و آراء نقل کیے ہیں جن سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے۔ ہم ان میں سے کچھ کو ذیل میں نقل کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر ماہ ایک عمرہ کرنا چاہیے۔ اور خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ جب ان کے سر میں بال جم جاتا تو عمرہ کے لیے نکلتے (اور سر کا بال عموماً ہفتہ دس دنوں میں اگ آتا ہے) اور حضرت عکرمہ رحمہ فرماتے ہیں کہ اس وقت عمرہ کرے گا جب اس کے بال پر استرہ کا چلنا ممکن ہو۔ اور حضرت عطاء تابعی کہتے ہیں کہ اگر چاہے تو ہر ماہ دو عمرے کرے۔ اور بہر حال کثرت سے اور مسلسل اور پے در پے عمرے کرنا تو ہم نے اسلاف کے جو اقوال نقل کیے ہیں ان کی روشنی میں اس کا استحباب ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح امام احمد رحمہ فرماتے ہیں کہ جب عمرہ کرے تو ضروری ہے کہ سر کا حلق یا قصر کرائے۔ اور سر کا مونڈنا دس دنوں میں ممکن ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دس دنوں سے کم میں عمرہ کرنا پسندیدہ نہیں ہے اور جب کہ ہمارے بعض اصحاب کثرت سے عمرہ کرنے کے قائل ہیں، اور سلف کے اقوال و احوال اس

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

بات پر دلالت کرتے ہیں جسے ہم نے نقل کیا ہے اور اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے پے در پے عمرے کرنا منقول نہیں ہے بلکہ ان سے اس پر انکار منقول ہے اور حق ان کی پیروی کرنے میں ہے۔

طاؤس فرماتے ہیں کہ جو لوگ تنعیم سے عمرہ کرتے ہیں میں نہیں جانتا کہ انھیں اس پر اجر ملے گا یا عذاب ہوگا؟ ان سے پوچھا گیا کہ عذاب کیوں ہوگا؟ تو انھوں نے کہا کہ ایسے لوگ بیت اللہ کا طواف چھوڑ کر چار میل جاتے ہیں اور پھر واپس آتے ہیں اور چار میل آنے جانے میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے اتنی دیر میں تو بیت اللہ کا دو سو مرتبہ طواف ہو سکتا ہے اور جب بھی بیت اللہ کا طواف کرے گا تو طواف کے بغیر چلنے کے مقابلہ میں افضل ہوگا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار اسفار میں چار عمرے کیے ہیں اور انھوں نے اپنے کسی سفر میں ایک عمرہ سے زیادہ نہیں کیا اور نہ ان صحابہ میں سے کسی نے ایک سے زیادہ عمرہ کیا جو ان کے ہمراہ تھے اور نہ ہم کو یہ خبر پہنچی کہ ان میں سے کسی نے بھی ایک سفر میں دو عمروں کو جمع کیا ہے۔ سوائے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہ جب انھیں حیض آگیا اور حیض کے باعث وہ تمام صحابہ کی طرح سے پہلا عمرہ نہ کر سکیں تو آپؐ نے انھیں تنعیم سے عمرہ کرایا، اس لیے کہ انھوں نے سمجھا کہ ان کے قران کا عمرہ (حیض کی وجہ سے حج سے قبل عمرہ نہ کر سکنے کی وجہ سے) باطل ہوگیا۔ اسی بنا پر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے اللہ کے رسول لوگ حج اور عمرہ کر کے لوٹیں گے اور میں صرف حج کر کے لوٹوں گی۔ چنانچہ آپؐ نے انھیں عمرہ کرایا۔ اور اگر اس میں فضیلت ہوتی تو صحابہ اس کے ترک پر اتفاق نہ فرماتے۔ (۱)

بہر حال ان اقوال و آرا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پے در پے عمرے کرنے اور نہ کرنے کے سلسلے میں ان میں خود اختلاف ہے۔ زیادہ حضرات کا رجحان ترک کے اولی ہونے کی طرف ہے یعنی کثرت سے عمرے نہ کرنا افضل ہے جب کہ کچھ لوگ مسلسل عمرہ کرنے کو پسندیدہ قرار دیتے ہیں اور ایک ماہ میں ایک مرتبہ، دو مرتبہ اور دس دنوں میں ایک مرتبہ عمرہ کرنے کے قائل ہیں، بہر حال ان کے اقوال اور تعامل سے اس تشدد اور تصلب کا ثبوت نہیں ملتا جو اس دور کی خصوصیت ہے۔ ان کا اختلاف افضلیت اور اولویت ہی کے سلسلہ میں ہے اور انھوں نے تسلسل کے ساتھ عمرہ کرنے کو ناجائز، حرام اور بدعت قرار

(۱) المغنی ۳/۲۳۷

نہیں دیا ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع کے موقع پر حج کے بعد مزید عمرے نہ کرنا اس کے عدم جواز کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ آپؐ نے امت کو مشقت سے بچانے کے لیے عمرہ نہ کیا کہ کہیں یہ روایت نہ بن جائے اور لوگ اس کی وجہ سے مشقت میں نہ پڑ جائیں اور اس کی مثال موجود ہے کہ بعض چیزوں کو پسندیدہ سمجھنے کے باوجود محض امت کی مشقت کا خیال کر کے آپؐ نے اس کا حکم نہیں دیا۔ مثلاً مسواک کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: لولا ان اشق علی امتی لأمرتهم بالسواک عند کل صلاۃ۔ (۲)

اسی طرح رمضان کے مہینہ میں عشاء کے بعد آپؐ نے مسجد نبوی میں تراویح کی نماز پڑھی۔ کچھ صحابہ بھی شامل ہو گئے۔ اگلے دن اس سے بڑی جماعت ہوئی اس طرح جماعت بڑھتی گئی، چوتھے دن جب کافی لوگ مسجد میں جمع تھے آپؐ قصداً تشریف نہ لائے اور اکٹھے فجر کی نماز کے لیے تشریف لائے اور نماز کے بعد اس کی جو علت بیان فرمائی اس کا منشا یہی تھا کہ امت کی سہولت اور اسے مشقت سے بچانے کے لیے آپؐ نے ایسا کیا۔ جب کہ نص قرآنی سے مطلق عمرہ کا ثبوت ملتا ہے آپؐ نے اپنی زندگی میں حج ایک ہی کیا لیکن عمرے چار کیے جس سے فی الجملہ عمرہ کا تعدد اور اس کی کثرت کا شرعاً مطلوب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جب کہ اسی کے ساتھ آپؐ کے قولی ارشاد "تابعوا بین الحج والعمرۃ" میں اس کے تسلسل کے پسندیدہ ہونے کی مزید تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ حضورؐ اور آپ کے اصحاب سے پے در پے عمرہ کرنا منقول نہیں زیادہ باوزن معلوم نہیں ہوتا، جب کہ حضرت علی رضؓ، حضرت انس رضؓ، حضرت عکرمہ رضؒ اور عطاء رحؒ تابعی سے اس کے خلاف قول منقول ہے اور پھر حضرت عائشہ رضؓ کے واسطے اس کی اجازت دینا بھی اس کے جواز کی دلیل ہے خواہ یہ اجازت کسی عذر پر مبنی ہو مگر وہ مزید عمرہ کے جواز کے لیے نظیر ہے۔ ہاں اس میں افراط اور غلو پسندیدہ نہیں کہ اس میں اپنے لیے اور دوسروں کے لیے پریشانی ہے۔ لیکن ہفتہ دس دنوں پر ایک مرتبہ عمرہ کر لینے میں جب کہ سر کے بال کچھ جم جائیں کوئی شرعی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض اسلاف کے اقوال سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زیادہ بہتر یہی ہے کہ صرف طواف پر اکتفا کیا جائے کہ یہ بہت اہم عبادت ہے اور اس کا موقع مکہ معظمہ کے قیام ہی تک ہے۔ اور اگر زائد عمرے کیے جائیں تو مُردوں کی طرف سے زندوں کی طرف سے نہیں کہ جو لوگ بقید حیات ہیں ان کے وہاں پہنچنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اس لیے ان کے لیے عمرہ کرنے کی ضرورت نہیں اور کوئی کرے تو اسے ممنوع نہیں کہا جا سکتا۔

(۲) ترمذی ۱/۵

خلاصہ کلام یہ کہ بدعت وہ عمل ہے جس کی دین میں کوئی اصل اور بنیاد نہ ہو، جیسے اہل بدعت کے یہاں بہت سی بدعات و محدثات کا رواج ہے جنھیں عبادت سمجھ کر کیا جاتا ہے اور اس پر اجر و ثواب کی امید رکھی جاتی ہے، جب کہ وہ یکسر خانہ زاد اور باطل ہیں اور شریعت میں ان کی کوئی نظیر نہیں، بلکہ ان میں سے بہت سی چیزوں کے بارے میں صریح ممانعت احادیث میں موجود ہے۔ اور عمرہ کی فضیلت، اس کا باعث برکت و سعادت ہونا کفارۂ ذنوب و معاصی ہونا اور فقر و فاقہ کے خاتمہ کا سبب ہونا اور اس سلسلے کی ترغیبات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے اسے حرام و ناجائز قرار دینا اور اس سے اتنی شدت کے ساتھ روکنا مناسب نہیں۔ اس سلسلہ میں اعتدال کی راہ اختیار کرنا چاہیے۔

اور طاؤس تابعی کا یہ فرمانا کہ جو لوگ تنعیم سے عمرہ کرتے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ انھیں اس پر اجر ملے گا یا عذاب ہوگا، یہ بھی ان کا اپنا قیاس اور ذاتی رائے ہے جس کے مقابلہ میں صحابہ و تابعین کے اقوال اور امت کا تعامل موجود ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ تنعیم سے عمرہ کرنے کا رواج شروع دور سے رہا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کچھ اسلاف اس عمرہ کے مقابلہ میں طواف کو بہتر سمجھتے ہیں اور کچھ حضرات عمرہ کے بارے میں منقول فضائل اور وعدوں کی بنیاد پر عمرہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح ان کا یہ تاثر کہ چار میل تنعیم سے آنے جانے میں جتنا وقت صرف ہوگا اتنی دیر میں دو سو طواف ہو جائیں گے، تو یہ بھی ان کا اپنا تخیل ہے، عمرہ کے ارادہ سے جانا اور آنا تنہا چلنا نہیں ہے بلکہ وہ عمرہ کا سفر ہے جس کی فضیلت کچھ کم نہیں اور پھر یہ تو اس زمانہ کی بات ہے جب چار میل کی آمد و رفت میں کئی گھنٹے لگ جاتے تھے اور اب تو تیز رفتار سواری کی وجہ سے آمد و رفت میں چند منٹ ہی صرف ہوتے ہیں۔ بہر حال بیت اللہ کے طواف کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اگر کوئی شخص اسی میں مصروف رہے تو بڑی اچھی بات ہے کوئی اسے منع نہیں کرتا اور عمرہ کرنے پر مجبور نہیں کرتا لیکن جو لوگ عبادتوں میں تنوع پیدا کرنے کے لیے کبھی کبھی عمرہ کر لیں تو شرعاً اس کی بھی گنجائش ہے۔

ص ۲۱ کا بقیہ

شخص ایسے وارث کے لیے وصیت بھی کر جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ان وارثوں کو صرف میراث ہی کے بقدر ملے گا۔

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا:

ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث۔ (۱)

البتہ اگر دوسرے ورثہ خوش دلی سے اجازت دیدیں تو جس وارث کے لیے وصیت ہوگی، اس کی وصیت کے بقدر مال نکالنے کے بعد وصیت جاری ہوگی۔

دراصل مورث اس امر کا لحاظ رکھے میراث ہو یا دین یا وصیت کسی بھی عنوان کو اختیار کرکے دوسرے ورثہ کو ضرر و نقصان پہونچانے کی ذہنیت نہ ہو۔

Muslim Hands

The Organisation to fight against poverty !

To Provide :

Education, Vocational Traninig, Housing, Medical-Care, Food Distribution, Safewater, Electricity, to needy and poor Muslims.

& To Look after the Orphans

Its working in the following Countries.

Afghanistan, Albania, Azerbijan, Bangladesh, Bosnia, Chechnya, Eritera, Ethipoia, Georgia, India, Iraq, Kashmir, Kenya, Kosova, Lebanon, Mexico, Mozambique, Nigeria, Pakistan, Palestine, Senegal, Sierra Leonne, Somalia, South Africa, Sudan, Tanzania, The Gambia, Turkey, United Kingdm.

Come & Join the really working people.

☆☆☆

Muslim Hands

148-164 Gregory Boulevard

Nottingham NG7 1BR U.K.

E.mail: contact@muslimhandsorg

www.muslimhands.org